جُمانُ التّاج
فِي بَیانِ الصَّلاۃِ
قَبلَ المِعرَاج

تاج کے موتی معراج سے پہلے نماز کے بیان میں

معراج سے پہلے نبی کریم ﷺ کے نماز پڑھنے کا طریقہ

جمان التاج في بيان الصلاة قبل المعراج

جمان التاج في بيان الصلاة قبل المعراج

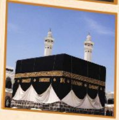

تصنیفِ لطیف

اعلیٰ حضرت مجددِ دین وملت،

امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۱۶ھ

جمان التاج فی بیان الصلٰوۃ قبل المعراج

(تاج کے موتی، معراج سے پہلے نماز کے بیان میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۲۵۰ از ریاست رام پور بذریعہ ملاظریف گھیر عبدالرحمن خاں مرحوم مرسلہ عبدالرؤف خاں ۲۷ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

بگرامی خدمت فیض درجت جناب مولنا بحرالعلوم صاحب زادکرمہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد نبوت قبل شبِ معراج جو دو وقتوں میں نماز پڑھتے تھے وہ کس طور پر ادا فرماتے تھے۔ بینوا توجروا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفٰی ؕ و سلام علی عبادہ الذین اصطفٰی ؕ لاسیما علی صاحب المعراج	اللہ ہی کی حمد ہے اور وُہ کافی ہے اور سلام ہو اس کے منتخب بندوں پر، مصطفٰے پر اور ان کے آل و اصحاب

---

[1] تفسیر معالم التنزیل زیرآیت مذکورہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/ ۸۵ - ۲۸۴

المصطفٰی و اٰلہ وصحبہ المقیمین الصلاۃ و العدل و الوفاء ۔

پر جنھوں نے نماز کو اور عدل و وفا کو قائم کیا۔ (ت)

الجواب

پیش از اسراء دو وقت یعنی قبل طلوعِ شمس وقبل غروب کے نمازیں مقرر ہونے میں علماء کو خلاف ہے اور اصح یہ ہے کہ اس سے پہلے صرف قیامِ لیل کی فرضیت باقی پر کوئی دلیل صریح قائم نہیں۔

فی الدر المختار اول کتاب الصلٰوۃ الصلاۃ فرضت فی الاسراء ، وکانت قبلہ صلاتین ، قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا۔ شمنی[1] اھ۔

درمختار کی کتاب الصلٰوۃ کے آغاز میں ہے کہ نماز (باقاعدہ طور پر) معراج میں فرض ہوئی تھی، اس سے پہلے صرف دو نمازیں تھیں، ایک طلوع سے پہلے دوسری غروب سے پہلے۔ شمنی اھ (ت)

وفی المواھب ، من المقصد الاول ، قبیل ذکر اول من اٰمن ، قال مقاتل ، کانت الصلاۃ اول فرضھا رکعتین بالغداۃ ورکعتین بالعشی ، لقولہ تعالٰی وسبح بحمد ربک بالعشی والابکار۔ قال فی فتح الباری ، کان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قبل الاسراء یصلی قطعًا ، وکذلک اصحابہ ؛ ولکن اختلف ھل افترض قبل الخمس شیئ من الصلاۃ امر لا ؛ فقیل ان الفرض کان صلاۃ قبل طلوع الشمس و قبل غروبھا ۔ والحجۃ فیہ قولہ تعالٰی وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا انتہی[2]۔

اور مواہب کی فصل اوّل میں جہاں اولین ایمان لانے والوں کا ذکر ہے، اس سے تھوڑا پہلے مذکور ہے کہ مقاتل نے کہا ہے کہ ابتداء میں نماز کی صرف دو رکعتیں صبح کو اور دو رکعتیں رات کو فرض تھیں کیونکہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے اور تسبیح کہو اپنے رب کی حمد کے ساتھ رات کو اور سویرے۔ فتح الباری میں کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے پہلے نماز تو یقینًا پڑھتے تھے اور اسی طرح آپ کے صحابہ بھی پڑھتے تھے، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ پانچ نمازیں فرض ہونے سے پہلے کوئی نماز فرض بھی تھی یا نہیں! تو کہا گیا ہے کہ ایک نماز طلوع سے اور ایک غروب سے پہلے فرض تھی اور اس پر دلیل اللہ تعالٰی کا یہ فرمان ہے : اور تسبیح کہو اپنے رب کی حمد کے ساتھ طلوعِ شمس سے پہلے اور غروبِ شمس سے پہلے۔ (ت)

وقال النووی : اوّل ما وجب الانذار والدعاء الی التوحید ، ثم فرض اللہ تعالٰی

اور نووی نے کہا ہے کہ سب سے پہلے ڈر سنانا اور توحید کی طرف بلانا فرض کیا گیا، پھر اللہ تعالٰی

---

[1] درمختار کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۵۸

[2] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الاول فی تشریف اللہ تعالٰی لہ علیہ وسلم مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۱/۲۷۴

من قیام اللیل ماذکرہ فی اول سورۃ المزمل ثم نسخہ بمافی آخرھا ثم نسخہ بایجاب الخ بایجاب الصلوٰۃ والخمس لیلۃ الاسراء بمکۃ۔[1] اھ مافی المواہب

نے قیام لیل فرض کردیا جس کا سورۂ مزمل کی ابتداء میں ذکر ہے پھر اس کو منسوخ کردیا اس حکم سے جو سورۂ مزمل کے آخر میں ہے، پھر اس کو بھی منسوخ کردیا اور اس کے بجائے مکہ مکرمہ میں معراج کی رات کو پانچ نمازیں فرض کردیں۔ اھ مواہب کی عبارت ختم ہوئی۔ (ت)

وفی شرحھا للعلامۃ الزرقانی من المقصد التاسع، ذھب جماعۃ الی انہ لم تکن قبل الاسراء صلاۃ مفروضۃ الا ما وقع الامر بہ من صلاۃ اللیل بلا تحدید۔ وذھب الحربی الی ان الصلاۃ کانت مفروضۃ، رکعتین بالغداۃ ورکعتین بالعشی۔ وردہ جماعۃ من اھل العلم۔[2] اھ

اور مواہب کی شرح میں علامہ زرقانی نے نویں مقصد میں لکھا ہے کہ ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ معراج سے پہلے کوئی نماز فرض نہیں تھی، صرف رات کو نماز پڑھنے کا حکم تھا مگر اس کی کوئی مقدار مقرر نہیں تھی۔ اور حربی کی رائے یہ ہے کہ نماز معراج سے پہلے بھی فرض تھی۔ دو رکعتیں صبح کو اور دو رکعتیں رات کو۔ لیکن حربی کی رائے کو اہلِ علم کی ایک جماعت نے رد کیا ہے (ت)

وفیھما من المقصد الخامس فی الاسراء، عند ذکر صلاتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالانبیاء ببیت المقدس، (قد اختلف فی ھذہ الصلاۃ) ھل ھی الشرعیۃ المعروفۃ او اللغویۃ؟ وصوب الاول لان النص یحمل علٰی حقیقۃ الشرعیۃ، مالم یتعذر۔ وعلی ھذا اختلف (ھل ھی فرض) ویدل علیہ کما قال النعمانی حدیث انس عند ابی حاتم المتقدم قریبا للمصنف۔ (او نفل؟ واذا قلنا انھا فرض، فای صلاۃ ھی؟ قال بعضھم الاقرب انھا الصبح،

اور مواہب وزرقانی کے پانچویں مقصد میں جو کہ معراج کے بیان میں ہے ـــ جہاں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا باقی انبیاء کو نماز پڑھانا مذکور ہے، وہاں لکھا ہے (اس نماز میں اختلاف پایا جاتا ہے) کہ آیا اس کی مشروعیت وہی معروف مشروعیت ہے یا لغوی مشروعیت مراد ہے؟ پہلا قول درست قرار دیا گیا ہے کیونکہ جہاں تک ممکن ہو نص کو اپنی شرعی حقیقت پر محمول کیا جاتا ہے۔ مشروعیت معروفہ مراد لینے کے بعد اس میں اختلاف ہے (کہ کیا یہ فرض ہے) اور جیسا کہ نعمانی نے کہا ہے ـــ اس پر اس کی وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو ابن ابی حاتم کے ہاں پائی جاتی ہے اور

---

[1] المواہب اللدنیۃ المقصد الاول، اول امر الصلوٰۃ، المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۱۱، ۲۱۲

[2] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد التاسع فی عبادتہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبعۃ عامرہ مصر ۷/ ۳۲۳

ویحتمل ان تکون العشاء) والاحتمالان، کما قال الشامی، لیسا بشیئ: سواء قلنا صلٰی بهم قبل العروج او بعده لان اول صلاۃ صلاها النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم من الخمس مطلقًا الظهر بمکۃ باتفاق۔ ومن حمل الاولیۃ علی مکۃ فعلیه الدلیل۔ قال، والذی یظهر انها کانت من النفل المطلق، او کانت من الصلاۃ المفروضۃ علیه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم قبل لیلۃ الاسراء۔ وفی فتاوی النووی مایؤید الثانی اھ باختصار۔[1]

تھوڑا سا پہلے مصنف نے بھی ذکر کی ہے (یا نفل ہے؟ اگر ہم کہیں کہ فرض ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی نماز ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ اقرب یہ ہے کہ وُہ صبح کی نماز ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ عشاء کی نماز ہو) اور دونوں احتمال ـــ جیسا کہ شامی نے کہا ہے ـــ کوئی حیثیت نہیں رکھتے، خواہ ہم یہ کہیں کہ یہ نماز آسمانوں پر جانے سے پہلے پڑھائی تھی یا بعد میں، کیونکہ پانچ نمازوں میں مطلقًا پہلی نماز جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی تھی وُہ بالاتفاق ظہر کی نماز تھی جو آپ نے مکہ مکرمہ میں ادا فرمائی تھی۔ اور جو شخص اس روایت کو مکہ کے ساتھ مختص کرے تو اس پر دلیل لازم ہے۔ شامی نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ کوئی نفلی نماز تھی یا ان نمازوں میں سے تھی جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر شبِ معراج سے پہلے فرض تھیں اور فتاوٰی نووی سے دوسری شق کی تائید ہوتی ہے۔ (ت)

اقول: وفی الاستدلال بقوله عز اسمه وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل غروبها[2] نظر، فان تتمۃ الاٰیۃ ومن اٰناء اللیل فسبح واطراف النهار لعلك ترضٰی[3]، فان حمل التسبیح علی الصلاۃ لقول ابن عباس رضی اللّٰه تعالٰی عنهما کل تسبیح فی القراٰن صلاۃ[4] اخرجه الفریابی عن

میں کہتا ہوں: اللہ عزّ اسمہٗ کے اس فرمان سے استدلال کرنا کہ تسبیح کہو اپنے رب کی حمد کے ساتھ طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب سے پہلے، محلِ نظر ہے کیونکہ آیت مکمل اس طرح ہوتی ہے "اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح کہو اور دن کے اطراف میں بھی تاکہ تم راضی ہوجاؤ"۔ اب اگر تسبیح سے مراد نماز لی جائے کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ قرآن

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الخامس فی المعراج والاسراء مطبوعۃ المطبعۃ العامرہ مصر ۶/۶۳

[2] القرآن سورۃ طٰہٰ ۲۰ آیت ۱۳۰

[3] " " "

[4]

سعید بن جبیر وان کان ربما یفید الاستثناء من کلیته علی ما **اقول** قوله جل ذکره، کل قد علم صلوته وتسبیحه[۱]، وقوله تعالٰی فلولا انه کان من المسبحین ○ للبث فی بطنه الٰی یوم یبعثون[۲] ○ فان الظاهر ان المراد به ماذکر عنه ربه عزوجل بقوله فنادٰی فی الظلمٰت ان لا اله الا انت سبحٰنک انی کنت من الظلمین[۳] ○ به فسره سعید بن جبیر، ارشد تلامذه ابن عباس، الراوی عنه تلک الکلیة۔ وقد قال الحسن البصری، کما فی المعالم: ماکانت له صلاة فی بطن الحوت؛ ولکنه قدم عملا صالحا[۴]۔ اھ بید ان ابن عباس ههنا ایضا مشٰی علٰی اصله فقال رضی الله تعالٰی عنه، من المسبحین، من المصلین[۵]۔ ویکون المعنی حینئذ ما قال الضحاک، انه شکر الله تعالٰی له طاعته القدیمة[۶]، کما فی المعالم ایضا۔ فعلٰی هذا الحمل واخذ الامر للوجوب، تدل الاٰیة باٰخرها علی فرضیة اکثر من

میں تسبیح سے ہر جگہ نماز مراد ہے۔ ابن عباس کا یہ قول فریابی نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے۔ اگرچہ ابن عباس کے اس کلیے سے استثناء کا فائدہ دیتی ہیں وہ آیات جو میں بیان کر رہا ہوں، اللہ جل ذکرہ فرماتا ہے: "ہر (پرندہ) اپنی نماز اور تسبیح کو جانتا ہے"۔ اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے: "اگر وہ (یونس) تسبیح کہنے والوں میں سے نہ ہوتا تو یوم بعث تک مچھلی کے پیٹ میں رہتا" کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ اس تسبیح سے مراد وہی تسبیح ہے جو اللہ تعالٰی نے یونس علیہ السلام سے یوں حکایت کی ہے "پس پکارا اس نے اندھیریوں میں کہ کوئی معبود نہیں ہے تیرے سوا، تو پاک ہے بیشک میں ظلم کرنے والوں میں تھا"۔ سعید ابن جبیر جو کہ ابن عباس کے بہترین شاگردوں میں سے ہیں اور ان کے مندرجہ بالا کلیہ کے راوی ہیں انہوں نے یہی تفسیر بیان کی ہے۔ حسن بصری نے کہا ہے کہ انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں نماز نہیں پڑھی تھی بلکہ اس سے پہلے ایک صالح عمل تھا اھ البتہ ابن عباس یہاں بھی اپنے اصول پر رواں رہے ہیں اور تسبیح کہنے والوں میں سے ہونے کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ نماز پڑھنے والوں میں سے ہونا۔ اس صورت میں —— جیسا کہ ضحاک نے کہا ہے —— اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالٰی نے یونس علیہ السلام کو اس اطاعت

---

[۱] القرآن سورہ النور ۲۴ آیت ۴۱
[۲] القرآن سورہ الصّٰفّٰت ۳۷ آیت ۱۴۳
[۳] " سورۃ الانبیاء ۲۱ " ۱۴۴
[۴] معالم التنزیل مع تفسیر الخازن زیر آیت فلولا انہ کان من المسبحین (تفسیر سورہ صافات) مصطفی البابی مصر ۳۷/۶
[۵] " " " " " " " " "
[۶] معالم التنزیل مع الخازن زیر آیت فلولا انہ کان من المسبحین الخ مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۳۷/۶

صلاتین ؛ الا ان یقال ، لم یقصد الحصر ، بدلیل ان قیام اللیل کان فریضة من قبل قطعا ؛ ولکن یبقی قوله تعالیٰ و اطراف النہار ؛ وحمله علی المذکورتین یستلزم التکرار ۔

(اور نماز وغیرہ) کے صلے میں نجات دی تھی جو وہ مچھلی کے پیٹ میں جانے سے پہلے کرتے رہے تھے ۔ معالم میں بھی اسی طرح ہے ۔ بہرحال اگر "فسبح بحمد ربك" میں تسبیح سے مراد نماز لی جائے اور امر کو وجوب کے لیے قرار دیا جائے تو آیت کا آخری حصہ دو سے زیادہ نمازوں کے فرض ہونے پر دلالت کرے گا ۔ اس کا یہ جواب تو دیا جا سکتا ہے کہ دو میں حصر مقصود نہیں ہے کیونکہ رات کی نماز بھی بالیقین پہلے سے فرض تھی ، لیکن اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان " اور دن کے اطراف میں " بغیر کسی مفہوم کے رہ جاتا ہے کیونکہ اگر اس سے مراد طلوع سے پہلے اور غروب سے پہلے والی دو نمازیں لی جائیں تو تکرار لازم آئے گی (کیونکہ ان کا ذکر آیت کی ابتدا میں ہو چکا ہے) ۔ (ت)

اما استدلال مقاتل بقوله تعالیٰ و سبح بحمد ربك بالعشی والابکار[1] ، **فاقول** : اضعف ، واضعف ؛ بل لیس بشئ اصلا ، فان الاٰیة من سورة حٰم المؤمن ، وقد تاخر نزولها عن سورة بنی اسرائیل النازلة بخبر الاسراء ، بزمان طویل ، فقد روی ابن الضریس فی فضائل القراٰن عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ، فی حدیث ترتیب نزول السور ، قال : کان اول ما نزل من القراٰن اقرأ باسم ربك ، ثم ن ، فذکر الحدیث الی ان قال ؛ ثم بنی اسرائیل ، ثم یونس ، ثم ھود ، ثم یوسف ، ثم الحجر ، ثم الانعام ، ثم الصٰفٰت ، ثم لقمان ، ثم سبا ، ثم الزمر ، ثم حٰم المؤمن[2] ۔ الحدیث ۔ فکیف یستدل بها علی ایجاب صلوٰة قبل الاسراء ؛ لاجرم ان

رہا مقاتل کا استدلال اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے " اور تسبیح کہو اپنے رب کی حمد کے ساتھ رات کو اور صبح سویرے " ۔ تو میں کہتا ہوں کہ بہت ضعیف ہے اور بہت ہی ضعیف ہے ، بلکہ سرے سے بیکار ہے ، کیونکہ یہ آیت سورہ حٰم مومن کی ہے اور اس کا نزول سورہ بنی اسرائیل سے ، جس میں معراج کا ذکر ہے ، طویل زمانے کے بعد ہوا ہے ۔ چنانچہ ابن ضریس نے فضائل قرآن میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سورتیں نازل ہونے کی ترتیب اس طرح بیان کی ہے کہ ابن عباس نے کہا ہے کہ " قرآن میں سب سے پہلے سورہ اقرأ باسم ربک نازل ہوئی ، پھر نٓ ۔ ابن ضریس نے یہ روایت پوری بیان کی ہے یہاں تک کہ کہا ہے " پھر بنی اسرائیل ، پھر یونس ، پھر ہود ، پھر یوسف ، پھر حجر ، پھر انعام ، پھر صٰفٰت ، پھر لقمان ، پھر سبا ، پھر زمر ، پھر حٰم مومن ـــــ آخر تک ۔ تو پھر حٰم مومن کی آیت سے

---

[1] القرآن سورہ مؤمن ۴۰ آیت ۵۵

[2] فضائل القرآن لابن الضریس

فسرها ترجمان القرآن رضى الله تعالٰى عنه بالصلوات الخمس[1]، كما فى المعالم۔ وقد يستدل بما روى ابن ابى حاتم فى تفسيره عن انس رضى الله تعالٰى عنه فى حديث الاسراء واتيانه صلى الله تعالٰى عليه وسلم بيت المقدس "لم البث الا يسيرا حتى اجتمع ناس كثير، ثم اذن مؤذن واقيمت الصلاة" قال، فقمنا صفوفا ننتظر من يؤمنا فاخذ جبريل عليه الصلاة والسلام بيدى فقدمنى فصليت بهم، فلما انصرفت، قال لى جبريل، اتدرى من صلى خلفك؟ قلت، لا، قال، صلى خلفك كل نبى بعثه الله[2]۔ وهو الحديث المشار اليه فى كلام الزرقانى عن الامام النعمانى۔

کس طرح استدلال کیا جاسکتا ہے کہ معراج سے پہلے بھی نماز فرض تھی (جبکہ اس وقت تک وُہ سورۃ نازل ہی نہیں ہوئی تھی)، اسی لیے ترجمان القرآن رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر پانچ نمازوں سے کی ہے۔ جیسا کہ معالم میں ہے۔ اور کبھی استدلال کیا جاتا ہے اس حدیث سے جو ابن ابی حاتم نے انس رضی اللہ عنہ سے واقعۂ معراج اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیت المقدس میں آنے کے بارے میں روایت کی ہے (اس میں ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا) ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ بہت سے لوگ جمع ہوگئے۔ پھر ایک مؤذن نے اذان دی اور نماز کے لیے اقامت کہی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم سب صفیں باندھ کر اس انتظار میں کھڑے ہوگئے کہ ہمارا امام کون بنتا ہے، تو جبریل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آگے کردیا، چنانچہ میں نے سب کو نماز پڑھائی، جب میں نے سلام پھیرا تو جبریل نے مجھ سے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے پیچھے کن لوگوں نے نماز پڑھی ہے؟ میں نے کہا نہیں جبریل نے کہا کہ آپ کے پیچھے ہر اس نبی نے نماز پڑھی ہے جسے اللہ تعالٰی نے مبعوث فرمایا ہے۔ یہی وہ حدیث ہے جس کی طرف زرقانی کے کلام میں نعمانی کے حوالے سے اشارہ کیا گیا ہے (ت)

اقول: ولعل مطمح نظر المستدل وقوع الاذان والاقامة فانهما من خصائص الفرائض **اولاً**، فلان الاذان والاقامة المعروفين ماشرعا الا بالمدينة، والاسراء قبل الهجرة ولذا قال الزرقانى فى تفسير الحديث، اذن مؤذن، اى اعلم بطلب الصلاة، فاقيمت الصلوة، اى تهيؤ لها وشرعوا فيها، فلا يردان الاذان والاقامة انما

میں کہتا ہوں کہ شاید دلیل پیش کرنے والے کا مطمح نظر یہ ہو کہ اس نماز میں اذان واقامت ہوئی تھی اور یہ فرائض کے ساتھ خاص ہیں، لیکن اس پر اعتراض ظاہر ہے۔ اوّلاً اس لیے کہ معروف اذان واقامت تو مدینہ میں شروع ہُوئی تھی، جبکہ معراج ہجرت سے پہلے ہُوا تھا۔ اسی لیے زرقانی نے اس حدیث کی شرح کرتے ہُوئے "ایک مؤذن نے اذان کہی" کے یہ معنی

---

[1] معالم التنزیل مع تفسیر الخازن زیر آیت فلولا انہ کان من المسبحین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۶/ ۹۸

[2] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الخامس فی المعراج والاسراء مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۶/ ۶۲

شرعا بالمدینة والاسراء کان بمکة[1] اھ اما **ثانیًا** فلان تخصیصهما بالفرائض انما عرف بعد ما شرعا للامة، اما قبل ذلك فای دلیل علیه؟ واما **ثالثًا**، وهو القاطع، فلان الاسراء انما کان باللیل، وقد علمنا ان صلاة اللیل کانت فریضة قبل فرض الخمس، فما یدریك لعلها هی۔ وبه یظهر الجواب عما عسی ان یتعلق به متعلق، مما روی مسلم عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه فی حدیث الاسراء "وحانت الصلاة فاممتهم[2]"۔

بیان کیے ہیں کہ اس نے نماز کے لیے طلب کیے جانے سے ان کو آگاہ کیا"، اور "نماز کے لیے اقامت کہی گئی" کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ اس کے لیے تیار ہوگئے اور اس میں شروع ہوگئے، اس لیے یہ اعتراض نہیں پیدا ہوگا کہ اذان و اقامت تو مدینہ میں شروع ہوئی تھیں اور معراج مکہ میں ہُوا تھا۔ ثانیًا، اس لیے کہ اذان و اقامت کا فرائض کے ساتھ مخصوص ہونا تو اُمّت کے لیے ان کے مشروع ہونے کے بعد معلوم ہوا ہے۔ مشروعیت سے پہلے تخصیص پر کون سی دلیل ہے؟ ثالثًا، اس لیے ــــ اور یہ اعتراض استدلال کی جڑ کاٹنے والا ہے ــــ کہ معراج رات کو ہوئی تھی اور یہ ہم جان چکے ہیں کہ رات کی نماز، پانچ نمازوں کے فرض ہونے سے پہلے بھی فرض تھی، تو کیا پتا، ہوسکتا ہے یہ وہی رات کی نماز ہو! اسی سے اس کا جواب بھی ظاہر ہوجاتا ہے جس کو ہوسکتا ہے کوئی مستدل بطور دلیل پیش کرے یعنی مسلم کی وُہ روایت جو ابوہریرہ سے حدیثِ معراج میں مروی ہے (کہ رسول اللہ نے فرمایا) اور نماز کا وقت ہوگیا تو میں نے انہیں نماز پڑھائی۔ (ت)

تاہم اس قدر یقینًا معلوم کہ معراج مبارک سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نمازیں پڑھتے۔ نمازِ شب کی فرضیت تو خود سورۂ مزمل شریف سے ثابت اور اس کے سوا اور اوقات میں بھی نماز پڑھنا وارد عام ازینکہ فرض ہو یا نفل، حدیث میں ہے:

کان المسلمون قبل ان تفرض الصلوات الخمس یصلون الضحٰی والعصر، فکان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم واصحابه اذا صلوا اٰخر النهار، تفرقوا فی الشعاب فصلوها فرادٰی[3]۔

فرضیتِ پنجگانہ سے پہلے مسلمان چاشت اور عصر پڑھا کرتے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام جب آخر روز کی نماز پڑھتے گھاٹیوں میں متفرق ہوکر تنہا پڑھتے۔

---

[1] شرح الزرقانی علی المواهب المقصد الخامس فی المعراج والاسراء مطبوعہ المطبعة العامرہ مصر ۶/ ۵۷

[2] الصحیح لمسلم باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۹۶

[3] الاصابة فی تمییز الصحابة حدیث ۲۳، ترجمہ عزہ بنت ابی تجراۃ مطبوعہ دار صادر بیروت لبنان ۴/ ۳۶۴

رواہ ابن سعد وغیرہ عن عزیزۃ بنت ابی تجراۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا ذکرہ فی ترجمتہا من الاصابۃ۔

اس کو ابن سعد وغیرہ نے عزیزہ بنت تجراۃ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ یہ بات اصابہ میں عزیزہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں مذکور ہے۔ (ت)

احادیث اس باب میں بکثرت ہیں اور ان کی جمع و تلفیق کی حاجت نہیں بلکہ نماز شروع روز شریفہ سے مقرر و مشروع ہے حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اول بار جس وقت وحی اُتری اور نبوتِ کریمہ ظاہر ہُوئی اُسی وقت حضور نے بہ تعلیم جبریل امین علیہ الصلاۃ والتسلیم نماز پڑھی اور اُسی دن بہ تعلیمِ اقدس حضرت اُم المومنین خدیجۃ الکبرٰی رضی اللہ تعالٰی عنہا نے پڑھی، دُوسرے دن امیر المومنین علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنی نے حضور کے ساتھ پڑھی کہ ابھی سورۂ مزمل نازل بھی نہ ہوئی تھی تو ایمان کے بعد پہلی شریعت نماز ہے۔

فقد اخرج احمد وابن ماجۃ والحارث فی مسندہ وغیرھم عن اسامۃ بن زید عن ابیہ رضی اللہ تعالٰی عنہما ان جبریل اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، فی اول ما اوحی الیہ، فاراہ الوضوء والصلاۃ، فلما فرغ من الوضوء اخذ غرفۃ من ماء فنضح بہا فرجہ[1]۔ وفی سیرۃ ابن اسحٰق، وسیرۃ ابن ہشام، والمواھب اللدنیۃ من المقصد الاول، وکتاب الخمیس، وافضل القری لقراء ام القری للامام ابن حجر المکی، ثم حاشیۃ الکنز للعلامۃ السید ابی السعود الازھری، ثم حاشیۃ الدر للعلامۃ السید احمد الطحطاوی، وھذا لفظ القسطلانی، مزیدا من الزرقانی (قد روی) مرضہ لان لہ طرقا لاتخلو من مقال؛ لکنہا متعددۃ یحصل باجتماعہا

تخریج کی ہے احمد اور ابن ماجہ نے اور حارث نے اپنی مُسند میں اور دیگر محدثین نے اسامہ ابن زید سے، وہ اپنے والد سے راوی ہیں کہ وحی کے آغاز میں ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کو وضو اور نماز کا طریقہ بتایا، جب وضوء سے فارغ ہُوئے تو چُلّو بھر پانی لیا اور اپنے فرج پر چھڑکا۔ سیرت ابن اسحٰق میں، سیرت ابن ہشام میں، مواہب لدنیہ کے کتاب الخمیس میں، ابن حجر مکی کی افضل القری لقرار ام القری میں، سیّد ابو السعود ازہری کے حاشیہ کنز میں، سید احمد طحطاوی کے حاشیہ در مختار میں مذکور ہے ــــ اور الفاظ قسطلانی کے ہیں جن میں اس کی شرح زرقانی سے اضافہ کیا گیا ہے ــــ (روایت کی گئی ہے) بصیغۂ مجہول اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ اس کے جتنے طریقے بھی ہیں وہ اعتراض سے خالی نہیں ہیں، لیکن چونکہ متعدد ہیں اس لیے ان کے اجتماع سے قوت

---

[1] مُسند امام احمد بن حنبل حدیث زید بن حارثہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۴/ ۱۶۱

القوة (ان جبريل بدا له صلى الله تعالیٰ عليه وسلم) وهو باعلى مكة، كما عند ابن اسحٰق، اى بجبل الحراء، كما فى الخميس (فى احسن صورة واطيب رائحة فقال، يا محمد! ان الله يقرئك السلام ويقول لك، انت رسولى الى الجن والانس فادعهم الى قول لا اله الا الله، ثم ضرب برجله الارض فنبعت عين ماء فتوضأ منها جبريل) زاد ابن اسحٰق، ورسول الله ينظر اليه، ليريه كيف الطهور الى الصلاة (ثم امره ان يتوضأ، وقام جبريل يصلى، وامره ان يصلى معه) زاد فى رواية ابى نعيم عن عائشة رضى الله تعالیٰ عنها، فصلى ركعتين نحو الكعبة (فعلمه الوضوء والصلاة ثم عرج الى السماء ورجع رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم، لايمر بحجر ولا مدر ولا شجر الا وهو يقول: السلام عليك يا رسول الله! حتى اتى خديجة، فاخبرها، فغشى عليها من الفرح، ثم امرها فتوضأت، وصلى بها كما صلى به جبرئيل) زاد فى رواية، وكانت اول من صلى (فكان ذلك اول فرضها) اى تقديرها (ركعتين)[1] اھ وله تمام سياق۔ واخرج الطبرانى عن ابى رافع رضى الله تعالیٰ عنه، قال، صلى النبى صلى الله تعالیٰ عليه

حاصل ہوجاتی ہے کہ جبریل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے) جبکہ آپ مکّہ کے بالائی حصّہ میں تھے — جیسا کہ سیرت ابن اسحٰق میں ہے، یعنی کوہِ حرا پر تھے — جیسا کہ خمیس میں ہے (اچھی صورۃ اور عمدہ خوشبو میں اور کہا: "اے محمد! اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ انسانوں اور جنوں کی طرف میرے رسول ہیں اس لئے انہیں دعوت دیں کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہیں پھر جبریل نے اپنا پاؤں زمین پر مارا تو پانی کا چشمہ ابل پڑا اور جبریل نے اس سے وضو کیا) ابن اسحٰق نے اضافہ کیا ہے کہ" اور رسول اللہ اس کی طرف دیکھ رہے تھے تاکہ رسول اللہ کو نماز کے لیے طہارت کا طریقہ بتائے (پھر آپ سے کہا کہ آپ بھی وضو کریں۔ پھر جبریل نماز پڑھنے لگے اور رسول اللہ کو کہا آپ بھی میرے ساتھ پڑھیں) ابو نعیم نے حضرت عائشہ سے جو روایت کی ہے اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ جبریل نے قبلہ رُخ ہو کر دو رکعتیں پڑھیں (چنانچہ وضو اور نماز سکھانے کے بعد جبریل تو آسمان پر چلے گئے اور رسول اللہ گھر کی طرف واپس ہوئے تو راستے میں جس پتھر، ڈھیلے یا درخت کے پاس سے آپ گزرتے وہ کہتا "السلام علیک یا رسول اللہ" یہاں تک کہ آپ خدیجہ کے پاس آئے اور ان سے سارا ماجرا بیان کیا تو انہیں فرطِ مسرت سے غشی آگئی۔ پھر رسول اللہ نے انھیں بھی وضو کرنے کا حکم دیا اور رسول اللہ نے اُن کو بھی اُسی طرح نماز پڑھائی جس طرح جبریل نے

---

[1] شرح الزرقانی المقصد الاول فی تشریف اللہ تعالیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۱/۲۷۳

وسلم، اول یوم الاثنین، وصلت خدیجة اٰخرہ، وصلی علی یوم الثلثاء۔[1]

آپ کو پڑھائی تھی) ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ خدیجہ سب سے پہلے نماز پڑھنے والی ہیں (تو یہ نماز کی پہلی فرضیت تھی) یعنی اس کا اندازہ تھا (دو رکعتیں) اھ اس روایت کا باقی حصہ عنقریب آئے گا۔ اور طبرانی نے ابورافع رضی اللہ عنہ سے تخریج کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوموار کے ابتدائی حصے میں پہلی نماز پڑھی، خدیجہ رضی اللہ عنہا نے سوموار کے آخری حصے میں اور علی رضی اللہ عنہ نے منگل کے دن۔ (ت)

بالجملہ یہ سوال ضرور متوجہ ہے کہ معراج سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز کس طرح پڑھتے تھے،

اقول ملاحظہ آیات واحادیث سے ظاہر کہ وُہ نماز اسی انداز کی تھی اُس میں **طہارتِ ثوب** بھی تھی قال تعالٰی فی سورۃ المدثر، وثیابك فطهر۝[2] (اللہ تعالٰی نے سورۂ مدثر میں فرمایا ہے "اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو"۔ ت) **وضو** بھی تھا کما تقدم اٰنفا (جیسا کہ ابھی گزرا ہے۔ ت) **استقبالِ قبلہ** بھی تھا،

کما مرمن حدیث ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا، وروی ابن اسحٰق فی سیرتہ قال: حدثنی عبداللہ ابن نجیح المکی عن اصحابہ، عطاء ومجاھد وعمن روی ذلك، فساق حدیث اسلام عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ، وفیہ، فجعلت امشی رویدا ورسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قائم یصلی یقرؤ القراٰن، حتی قمت فی قبلتہ مستقبلہ، ما بینی وبینہ الا ثیاب الکعبة۔ قال، فلما سمعت القراٰن رق لہ قلبی[3]۔ الحدیث۔

جیسا کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی حدیث گزری ہے۔ اور ابن اسحٰق نے اپنی سیرت میں روایت کی ہے کہ حدیث بیان کی مجھ سے عبداللہ ابن نجیح مکی نے اپنے ساتھیوں عطا اور مجاہد سے اور کچھ لوگوں سے جنہوں نے یہ روایت بیان کی ہے۔ اس کے بعد ابن اسحٰق نے عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ ذکر کیا ہے اس میں ہے کہ (عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) میں آہستہ آہستہ چلتا جارہا تھا اور رسول اللہ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور قرآن کی تلاوت کر رہے تھے یہاں تک کہ میں آپ کے سامنے آپ کی طرف رُخ کرکے کھڑا ہوگیا، میرے اور آپ کے درمیان کعبے کے غلاف کے سوا کوئی حائل نہیں تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں نے قرآن سُنا تو میرا دل اس کے لیے نرم ہوگیا۔ الحدیث (ت)

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی عن عبیداللہ ابن ابی رافع حدیث ۹۵۲ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱/۳۲۰

[2] القرآن سورہ المدثر ۷۴ آیت ۴

[3] سیرت ابن اسحٰق

تکبیر تحریمہ بھی تھی قال تعالیٰ، وربك فكبّر[1] (اور اپنے رب کی تکبیر کہہ۔ ت) وقال عزاسمہ فی سورۃ الاعلیٰ النازلۃ قدما، و ذكر اسم ربه فصلّی[2] ﴿ (اور اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعلیٰ میں، جو پہلے نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے کہا ہے "اور یاد کیا اپنے رب کے نام کو پھر نماز پڑھی"۔ ت) **قیام بھی تھا**، قال تعالیٰ:

یایها المزمل ﴿ قم الیل[3] الاٰیات الٰی قوله جل ذكره ان ربك یعلم انك تقوم ادنٰی من ثلثی الیل ونصفه وثلثه وطائفة من الذین معك[4]۔

اے اوڑھنے والے! رات کو قیام کیا کرو" اور اس سے بعد کی آیتیں، اس آیت تک "بے شک تیرا رب جانتا ہے کہ تو کبھی دو تہائی رات سے کم قیام کرتا ہے کبھی نصف رات اور کبھی ایک تہائی رات۔ اور ان لوگوں کی ایک جماعت بھی جو تیرے ساتھ ہے۔ (ت)

قرأت بھی تھی۔

قال تعالیٰ فی سورۃ المزمل فاقرؤا ما تیسر من القراٰن[5] وقال الزرقانی تحت ما تقدم من قول مقاتل رکعتین بالغداۃ ورکعتین بالعشی، یحتمل انه كان یقرؤ فیهما بما اتاه من سورۃ اقرء، حتی نزلت الفاتحة[6]۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ مزمل میں فرمایا ہے: "پس پڑھو جتنا قرآن میسر ہو سکے"۔ اور مقاتل کا جو قول پہلے گزرا ہے کہ دو رکعتیں صبح کی اور دو رکعتیں رات کی فرض تھیں، اس کے تحت زرقانی نے کہا ہے "ممکن ہے کہ نزولِ فاتحہ سے پہلے رسول اللہ ان رکعتوں میں سورۃ اقرأ کی وہ آیات پڑھتے ہوں جو نازل ہو چکی تھیں۔ (ت)

رکوع بھی تھا،

علٰی خلف فیه، كما سیاتی، وقد تظافرت الاحادیث الحاكیة عما قبل الاسراء بصلٰوۃ

لیکن اس میں اختلاف ہے جو عنقریب آرہا ہے۔ اور جن احادیث میں معراج سے پہلے نماز پڑھنے کا

---

[1] القرآن سورۂ مدثر ۷۴ آیت ۳
[2] القرآن سورۃ الاعلیٰ ۸۷ آیت ۱۵
[3] القرآن سورۂ مزمل ۷۳ آیت ۱
[4] القرآن ۷۳/ ۲۰
[5] " " /"
[6] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الاول فی تشریف اللہ تعالیٰ لہ علیہ الصلوٰۃ والسلام المطبعۃ العامرۃ مصر ۱/ ۲۴۳

رکعات او رکعتین، منها ما تقدم انفا من حدیث ابی نعیم فصلی رکعتین، ومن حدیث غیرہ فکان ذٰلک اول فرضها رکعتین، وانما سمیت رکعة للرکوع۔

بیان ہے، ان میں بکثرت رکعات یا دو رکعتوں کا ذکر ہے ان میں سے ایک تو وہی ہے جو ابھی ابونعیم کے حوالے سے گزری تھی کہ نماز پڑھی دو رکعتیں۔ اور ابونعیم کے علاوہ ایک دوسرے محدث کی روایت کہ ابتدا میں صرف دو رکعتیں فرض تھیں۔ اور رکعت کی وجہ تسمیہ ہی یہ ہے کہ اس میں رکوع پایا جاتا ہے۔ ت)

سجود بھی تھا،

کما فی حدیث ایذاء ابی جهل وغیرہ من الکفرة، لعنهم اللّٰه تعالٰی، حین صلی رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم عند الکعبة، فرمقوا سجودہ، فالقوا علیه ما القوا به فی قلیب بدر ملعونین۔ والحمد للّٰه رب العٰلمین۔ والحدیث معروف فی الصحیحین وغیرهما عن ابن مسعود رضی اللّٰه تعالٰی عنه، وفیه من قول الکفار "یجیئ به ثم یمهله حتی اذا سجد وضع بین کتفیه؛ قال: فانبعث اشقاهم فلما سجد صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم وضعه بین کتفیه، وثبت النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم ساجدا[1]۔ الحدیث۔ وقد قال تعالٰی فی سورة اقرأ، واسجد واقترب ۝

جیسا کہ اس حدیث میں ہے جس میں ابوجہل اور دیگر کفار لعنهم اللّٰه کی ایذا رسانی کا ذکر ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے تو کفار نے اُن کے سجدے پر نگاہ رکھی اور آپ پر وہ کچھ ڈال دیا (یعنی اوجھڑیاں وغیرہ) جس کے بدلے میں بدر کے کنویں میں ملعون کرکے پھینک دیئے گئے۔ اور یہ حدیث صحیحین وغیرہ میں عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے معروف ہے اور اس میں ہے کہ کوئی جاکر اوجھڑیاں لائے پھر محمد کو اتنی مہلت دے کہ وہ سجدے میں چلا جائے، اس وقت اس کے شانوں کے درمیان اوجھڑیاں رکھ دے۔ راوی کہتا ہے کہ ان میں سے جو بہت بدبخت تھا وہ اس کام کے لیے تیار ہوگیا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں گئے تو اس نے اوجھڑیاں آپ کے شانوں کے درمیان رکھ دیں اور آپ سجدے میں پڑے رہے۔ الحدیث۔ اور اللہ تعالٰی نے سورۃ اقرأ میں فرمایا ہے: "اور سجدہ کرو اور قرب حاصل کرو۔" (ت)

---

[1] صحیح البخاری باب المرأة تطرح علی المصلی شیئا من الاذٰی مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۷۴

جماعت بھی تھی ،

کما تقدم من حدیث البعث ، ولفظہ عن ابن اسحٰق ، ثم قام بہ جبرئیل فصلی بہ ، وصلی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بصلاتہ ، (الی ان قال فی خدیجۃ) صلی بہا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کما صلی بہ جبرئیل ، فصلت بصلاتہ[1] ۔ اھ وقد قال تعالٰی وطائفۃ من الذین معک[2] واخرج الشیخان عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فی حدیث مجیئ الجن الیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اول البعث ، انہم اتوہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وہو یصلی باصحابہ صلاۃ الفجر[3] ، قال الزرقانی المراد بالفجر الرکعتان اللتان کان یصلیہما قبل طلوع الشمس الخ[4]

جیسا کہ بعث والی حدیث گزری ہے اور اس کے الفاظ ابن اسحٰق کے ہاں اس طرح ہیں "پھر جبریل آپ کے ساتھ کھڑے ہُوئے اور آپ کو نماز پڑھائی اور رسول اللہ نے جبریل کی نماز کے مطابق نماز پڑھی (یہاں تک کہ خدیجہ کے بارے میں کہا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز پڑھائی جس طرح جبریل نے رسول اللہ کو پڑھائی تھی چنانچہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مطابق نماز پڑھی ۔ اھ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا : "اور ایک جماعت ان لوگوں کی جو تمہارے ساتھ ہے" بخاری و مسلم نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی روایت کی ہے جس میں ابتدا ءِ وحی کے دوران رسول اللہ کے پاس جنات کے آنے کا ذکر ہے ۔ اس میں ہے کہ جب جنات آپ کے پاس آئے اس وقت آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے ۔ زرقانی نے کہا ہے کہ فجر کی نماز سے مراد وُہ دو رکعتیں ہیں جو طلوعِ آفتاب سے پہلے پڑھا کرتے تھے الخ ۔ (ت)

جہر بھی تھا ،

قال تعالٰی قل اوحی الی انہ استمع نفر من الجن فقالوا انا سمعنا قرانا عجبا یہدی الی الرشد فامنا بہ[5] ، وقد کانوا سمعوہ صلی اللہ تعالٰی

اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے "کہو وحی کی گئی ہے میری جانب کہ جنوں کی ایک جماعت نے کان لگا کر سُنا تو کہا ہم نے ایک عجیب قرآن سُنا ہے جو ہدایت کی طرف

---

[1] سیرت ابن اسحٰق

[2] القرآن ۷۳/ ۲۰

[3] صحیح البخاری زیر آیت قل اوحی الی الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۳۲

[4] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الاول ذکر الجن مطبوعہ المطبعۃ العامرۃ مصر ۱/ ۳۲۹

[5] القرآن ۷۲/ ۱-۲

علیہ وسلم فی صلاۃ الفجر، کما تقدم، ومرّ حدیث ابن اسحٰق فی اسلام امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ، وروی ابن سنجر فی مسندہ عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ "خرجت اتعرض رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قبل ان اسلم، فوجدتہ قد سبقنی الی المسجد، فقمت خلفہ، فاستفتح سورۃ الحاقۃ، فجعلتُ اتعجب من تألیف القرآن، فقلت: ھو شاعر کما قالت قریش، فقرأ انہ لقول رسول کریم ۝ وما ھو بقول شاعر قلیلا ما تؤمنون ۝ فقلت: کاھن، علم ما فی نفسی، فقرأ ولا بقول کاھن قلیلا ما تذکرون ۝ الی آخر السورۃ، فوقع الاسلام فی قلبی کل موقع"[1] **اقول:** لکن ذکر ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فی حدیثہ المذکور نزول الحاقۃ بعد بنی اسرائیل بسبع وعشرین سورۃ، وجعلہا من اواخر ما نزل بمکۃ، ولا یظہر الجمع بان بعضہا نزل قدیما فسمعہ عمر قبل ان یسلم وتأخر نزول الباقی، واعتبر ابن عباس بالاکثر، فان امیر المؤمنین یقول فی ھٰذا الحدیث، ان صح، فاستفتح سورۃ الحاقۃ، ویذکر الاٰیات من اواخرھا، ثم یقول الی اٰخر السورۃ، فاللہ

رہنمائی کرتا ہے" اور جنّات نے رسول اللہ کی یہ قرأت نمازِ فجر میں سُنی تھی، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور ابن اسحٰق کی روایت بھی گزر چکی ہے جو امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بارے میں ہے۔ اور ابن اسحٰق نے اپنے مسند میں عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ وہ فرماتے ہیں "اسلام لانے سے پہلے ایک دن میں رسول اللہ کا سامنا کرنے کے لیے گھر سے نکلا تو آپ اُس وقت مسجد کو جا چکے تھے میں جا کر ان کے پیچھے کھڑا ہو گیا، انھوں نے سورۃ الحاقہ شروع کی تو میں قرآن کی تالیف و ترتیب پر حیران رہ گیا اور میں نے دل میں کہا کہ یہ شخص شاعر ہے، اُسی وقت آپ نے یہ آیت پڑھی" اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے تم بہت کم ایمان لاتے ہو، میں نے سوچا کہ یہ کاہن ہے کہ اس کو میرے دل کی بات معلوم ہو گئی، اُسی وقت آپ نے یہ آیت پڑھی "نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو — سورۃ کے آخر تک — چنانچہ اسلام میرے دل میں پُوری طرح گھر گیا۔ **اقول** (میں کہتا ہُوں)، لیکن ابن عباس نے اپنی مذکورہ روایت میں بیان کیا ہے کہ سورۃ الحاقہ کا نزول اس وقت ہُوا جب سورۂ بنی اسرائیل کے بعد ستائیس سورتیں نازل ہو چکی تھیں اور ابن عباس نے الحاقہ کو ان سورتوں میں شمار کیا ہے جو مکّہ کے آخری دور میں نازل ہوئی تھیں (پھر حضرت عمر نے الحاقہ کی آیات اسلام لانے سے پہلے

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب مقصد اول اسلام عمر فاروق مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۱/۳۲۲

تعالٰی اعلم؛ بل قال مجاھد فی قولہ تعالٰی فاصدع بما تؤمر ھو الجھر بالقرآن[1]۔ حکاہ فی المواھب من المقصد الاول، قال: قالوا وکان ذلك بعد ثلث سنین من النبوۃ، قال الزرقانی: تبرأ منہ لجزم الحافظ فی سیرتہ بان نزول الاٰیۃ کان فی السنۃ الثالثۃ[2]۔

کس طرح سُن لی تھیں؛ جبکہ وہ نبوت کے چھٹے سال میں ایمان لائے تھے اور اس وقت یہ سورت نازل ہی نہیں ہُوئی تھی) اور یہ تطبیق کرنا غیر ظاہر ہے کہ ہوسکتا ہے اس کا کچھ حصہ پہلے نازل ہوا ہو اور حضرت عمر نے اس کو سُن لیا ہو اور باقیماندہ زیادہ تر حصّہ بعد میں نازل ہوا ہو اور حضرت ابن عباس نے اکثر باقیماندہ حصے کے نزول کو ملحوظ رکھا ہو۔ غیر ظاہر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر (اسلامِ عمر والی) یہ حدیث صحیح ہے تو اس میں عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "پس شروع کی رسول اللہ نے سورۃ الحاقہ، پھر سورۃ کے آخری حصّے کی چند آیات ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں "سورت کے آخر تک" (یعنی اس روایت کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ سورت شروع سے آخر تک اس وقت نازل ہوچکی تھی پھر مندرجہ بالا تطبیق کیسے ظاہر ہوسکتی ہے؟) پس اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ بلکہ مجاہد نے کہا ہے کہ اللہ تعالٰی کا یہ فرمانا "(اے نبی!) جس چیز کا تمہیں حکم دیا جارہا ہے اس کا اعلان کرو"۔ اس سے مراد قرآن کو جہراً پڑھنا ہے۔ یہ بات مواہب کے مقصدِ اول میں مذکور ہے۔ صاحبِ مواہب نے کہا: "کہتے ہیں کہ یہ آیت نبوت کے تین سال گزرنے کے بعد نازل ہُوئی"۔ ان کی شرح میں زرقانی نے کہا ہے کہ ("کہتے ہیں" کہہ کر) ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ حافظ نے اپنی سیرت میں یقین ظاہر کیا ہے کہ یہ آیت نبوت کے تیسرے سال کے دوران نازل ہُوئی تھی۔ (ت)

بالجملہ جہاں تک نظر کی جاتی ہے نمازِ سابق اصول و ارکان میں اسی نمازِ مستقر کے موافق نظر آتی ہے بلکہ حدیث مذکور بلفظ مواہب میں بعد فکان ذلك اول فرضھا رکعتین (ابتدا میں نماز کی دو رکعتیں فرض ہُوئی تھیں۔ ت) کے فرمایا:

ثم ان اللہ تعالٰی اقرھا فی السفر کذلك و اتمھا فی الحضر[3]۔

پھر اللہ تعالٰی نے سفر میں دو رکعتیں برقرار رکھیں اور حضر میں (چار) مکمل کردیں۔ (ت)

شرح زرقانی میں ہے:

اقرھا ای شرعھا علٰی ھیأۃ ماکان

"برقرار رکھیں" کا مطلب یہ ہے کہ ان دو رکعتوں کو

---

[1] المواہب اللدنیہ الجہر بالدعوۃ، المکتب الاسلامی بیروت۔ ۱/ ۲۲۲ و ۲۲۳

[2] شرح الزرقانی علی المواہب مراتب الوحی از مقصد اول مطبعہ العامرہ مصر ۱/ ۲۸۷

[3] المواہب اللدنیہ اول امر الصلوٰۃ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۱۱

یصلیہا[1] قبل۔

اسی طرح مشروع قرار دے دیا جس طرح آپ پہلے سے پڑھتے تھے۔ (ت)

قبل اس سے ظاہر یہ کہ پیش از معراج دو رکعتیں اسی طرح کی تھیں جیسی اب ہیں مگر بعض علماء فرماتے ہیں معراج سے پہلے رکوع اصلاً نہ تھا نہ اس شریعت میں نہ اگلے شرائع میں رکوع ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی اُمتِ مرحومہ کے خصائص سے ہے کہ بعد اسرا عطا ہوا بلکہ معراج مبارک کی صبح کو جو پہلی نمازِ ظہر پڑھی گئی اُس تک رکوع نہ تھا اُس کے بعد عصر میں اُس کا حکم آیا اور حضور و صحابہ نے ادا فرمایا صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وسلم مسند بزار و معجم اوسط طبرانی میں امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کی حدیث اس معنی کو مفید امام جلال الدین سیوطی خصائص کبرٰی میں فرماتے ہیں:

باب اختصاصه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بالرکوع فی الصلاة۔ ذکر جماعة من المفسرین فی قوله تعالٰی وارکعوا مع الراکعین، ان مشروعیة الرکوع فی الصلاة خاص بهذه الملة، وانه لا رکوع فی صلاة بنی اسرائیل ولذا امرهم بالرکوع مع امة محمد صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم، قلت: وقد یستدل له بما اخرجه البزار والطبرانی فی الاوسط عن علی رضی اللہ تعالٰی عنه، قال: اول صلاة رکعنا فیها صلوٰة العصر، فقلت یارسول اللہ ماهذا؟ قال: بهذا امرت۔ ووجه الاستدلال انه صلی قبل ذلك صلاة الظهر، وصلی قبل فرض الصلوات الخمس قیام اللیل وغیر ذلك، فکون الصلاة السابقة بلا رکوع قرینة لخلو صلاة الامم السابقة منه[2] اھ۔

باب، اس بیان میں کہ رسول اللہ نماز میں رکوع کے ساتھ مختص ہیں۔ مفسرین کی ایک جماعت نے اللہ تعالٰی کے فرمان "اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ نماز میں رکوع کا ہونا اس اُمت کے ساتھ خاص ہے، اور بنی اسرائیل کی نماز میں رکوع نہیں تھا، اسی لیے ان کو حکم دیا گیا ہے کہ اُمتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رکوع کریں۔ اور اس پر دلیل پیش کی جاتی ہے کہ بزار نے اور طبرانی نے اوسط میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تخریج کی ہے کہ پہلی نماز جس میں ہم نے رکوع کیا وہ عصر کی نماز تھی، تو ہم نے کہا: "یارسول اللہ! یہ کیا ہے؟" تو آپ نے فرمایا: "مجھے اسی طرح حکم دیا گیا ہے"۔ استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ رسول اللہ نے اس سے پہلے ظہر کی نماز پڑھی تھی، اور پانچ نمازوں کی فرضیت سے پہلے قیام لیل بھی کرتے تھے، کچھ اور نوافل بھی پڑھتے تھے، تو ان تمام نمازوں میں رکوع کا نہ ہونا اس بات کا قرینہ ہے کہ پہلی اُمتوں کی نمازوں میں رکوع نہ تھا اھ (ت)

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب مراتب الوحی مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۱/ ۲۷۳-۷۴

[2] الخصائص الکبرٰی باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بالرکوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۰۵

شرح زرقانی مقصد خامس میں ہے :

الرکوع من خصائص الامۃ ، وما صلاہ المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قبل الاسراء لارکوع فیہ ؛ وکذ اظہر عقب الاسراء ، واول صلاۃ برکوع ، العصر بعدھا۔[1]

رکوع اس اُمت کی خصوصیات میں سے ہے اور مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے پہلے جو نمازیں پڑھا کرتے تھے ان میں رکوع نہ تھا ، اسی طرح معراج کے بعد جو ظہر پڑھی (اس میں بھی رکوع نہ تھا) اس ظہر کے بعد آپ نے جو عصر پڑھی تو وہ پہلی نماز تھی جس میں رکوع کیا گیا ۔(ت)

اقول یہ حدیث طبرانی اگر صحیح یا حسن ہے تو استناد صحیح وحسن ہے ورنہ اس کا صریح معارض حدیث عفیف کندی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے موجود کہ وہ زمانۂ جاہلیت میں مکہ معظمہ میں آئے کعبہ کے سامنے بیٹھے تھے دن خوب چڑھ گیا تھا کہ ایک جوان تشریف لائے اور آسمان کو دیکھ کر رُو بکعبہ کھڑے ہوگئے ذرا دیر میں ایک لڑکے تشریف لائے وہ اُن کے دہنے ہاتھ پر قائم ہُوئے تھوڑی دیر میں ایک بی بی تشریف لائیں وہ پیچھے کھڑی ہُوئیں پھر جوان نے رکوع فرمایا تو یہ دونوں رکوع میں گئے پھر جوان نے سرِ مبارک اُٹھایا تو ان دونوں نے اُٹھایا جوان سجدے میں گئے تو یہ دونوں بھی گئے انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے حال پُوچھا کہا یہ جوان میرے بھتیجے محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ لڑکے میرے بھتیجے علی اور یہ بی بی خدیجۃ الکبرٰی ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہما ، میرے یہ بھتیجے کہتے ہیں کہ آسمان و زمین کے مالک نے انہیں اس دین کا حکم دیا ہے اور اُن کے ساتھ ابھی یہی دو مسلمان ہُوئے ہیں ۔

اخرج ابن عدی فی الکامل وابن عساکر فی التاریخ عن عفیفٌ الکندی رضی اللہ تعالٰی عنہ ، قال ، جئت فی الجاھلیۃ الی مکۃ ، وانا ارید ان ابتاع لاھلی من ثیابہا وعطرھا ، فاتیت العباس ، وکان رجلا تاجرا ، فانی عندہ جالس انظر الی الکعبۃ ، وقد کلفت الشمس وارتفعت فی السماء ، فذھبت اذ اقبل شابٌ فنظر الی السماء ثم قام مستقبل الکعبۃ ، فلم البث الا یسیرا حتی

ابن عدی نے کامل میں اور ابن عساکر نے تاریخ میں عفیف کندی رضی اللہ عنہ سے تخریج کی ہے ، وہ فرماتے ہیں کہ میں زمانۂ جاہلیت میں مکہ مکرمہ آیا ، میں مکہ کے کپڑے اور عطر خریدنا چاہتا تھا اس لیے عباس کے پاس آیا کیونکہ وہ تجارت کیا کرتے تھے ابھی میں ان کے پاس بیٹھا ہُوا تھا اور سُورج خوب روشن تھا اور آسمان پر بلند ہوچکا تھا کہ اچانک ایک نوجوان آئے اور آسمان کی طرف دیکھا پھر قبلہ رُو ہو کر کھڑے ہوگئے ، تھوڑی دیر کے بعد ایک لڑکے آئے اور جوان کے دائیں طرف کھڑے ہوگئے

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الخامس فی المعراج والاسراء مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۶/ ۵۷

جاء غلام فقام عن يمينه، ثم لم يلبث الا يسيرا حتى جاءت امرأة فقامت خلفهما، فركع الشاب فركع الغلام والمرأة، فرفع الشاب فرفع الغلام والمرأة، فسجد الشاب فسجد الغلام والمرأة، فقلت: يا عباس! امر عظيم، فقال، امر عظيم، تدري من هذا الشاب؟ هذا محمد بن عبد الله، ابن اخي، تدري من هذا الغلام؟ هذا علي ابن اخي، تدري من هذه المرأة؟ هذه خديجة بنت خويلد، زوجته۔ ان ابن اخي هذا حدثني ان ربه، رب السموٰت و الارض، امره بهذا الدين۔ ولم يسلم معه غير هؤلاء الثلثة[1]۔ فيه سعيد بن خثيم الهلالي، قال الازدي منكر الحديث عن اسد بن عبد الله العسري[عـه]۔ قال البخاري:

تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ایک خاتون آئیں اور دونوں کے پیچھے کھڑی ہوگئیں، جوان نے رکوع کیا تو لڑکے اور خاتون نے بھی رکوع کیا، وہ جوان رکوع سے کھڑے ہوئے تو وہ دونوں بھی کھڑے ہوگئے، جوان سجدے میں گئے تو وہ دونوں بھی سجدے میں چلے گئے۔ میں نے کہا: "اے عباس! یہ تو کوئی بڑا معاملہ ہے"۔ عباس نے کہا: "ہاں، بڑا معاملہ ہے، جانتے ہو یہ جوان کون ہے؟ یہ میرا بھتیجا محمد بن عبداللہ ہے۔ جانتے ہو یہ لڑکا کون ہے؟ یہ علی ہے میرا بھتیجا۔ جانتے ہو یہ خاتون کون ہے؟ یہ خدیجہ بنت خویلد ہے، جوان کی بیوی۔ میرے اس بھتیجے نے مجھے بتایا ہے کہ اس کے رب نے، جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے، اس کو اس دین کا حکم دیا ہے اور ابھی ان تین کے علاوہ کسی نے اس دین سے اتفاق نہیں کیا ہے۔ اس میں ابن خثیم ہلالی ہے۔ ازدی نے کہا ہے کہ سعید، اسد ابن عبداللہ العسری سے منکر روایتیں بیان کرتا ہے ——— بخاری نے کہا:

[عـه] هكذا في الاصل بخط الناسخ وكتب عليه بعض المصححين لعله العنبري **اقول** الصحيح القسري والعسري ليس بشئ عثرنا عليه قط في الانساب وهو اسد بن عبدالله بن يزيد بن البجلي اخو خالد القسري بفتح القاف وسكون المهملة في حديثه لين

اصل کتاب میں کاتب کا لکھا ہوا اسی طرح ہے، بعض تصحیح کرنے والوں نے لکھا ہے کہ شاید العنبری ہو **اقول** (میں کہتا ہوں) میرے نزدیک یہ لفظ القسری ہے العسری کوئی لفظ نہیں۔ انساب میں ہم اس پر اصلاً مطلع نہ ہوسکے، یہ اسد بن عبداللہ بن یزید بن البجلی خالد القسری کے بھائی ہیں قاف پر زبر اور سین

(باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] الکامل فی ضعفاء الرجال ترجمہ ایاس بن عفیف الکندی مطبوعہ المکتبۃ الاثریۃ شیخوپورہ ۱/ ۴۱۰

لایتابع علی حدیثہ ۔ اس کی حدیث پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ (ت)

اور دعوی اختصاص امت پر آیہ کریمہ وظن داود انما فتنٰہ فاستغفر ربہ وخر راکعا واناب ۝[1] (اور داؤد نے گمان کیا کہ ہم نے اسے آزمایا ہے تو اس نے اپنے رب سے مغفرت طلب کی اور رکوع میں گر گیا اور انابت اختیار کی۔ ت) کے ورود میں اگر تامل بھی ہو فان کثیرا منھم فسروا ھھنا الرکوع بالسجود وان قال الحسین بن الفضل ان معناہ خر بعد ما کان راکعا ای سجد (کیونکہ بہت سے علماء نے یہاں رکوع سے سجود مراد لیا ہے، اگرچہ حسین ابن فضل نے کہا ہے کہ "گر گیا" کا معنٰی یہ ہے کہ رکوع کے بعد گر گیا یعنی سجدے میں چلا گیا۔ ت) تو آیہ کریمہ یٰمریم اقنتی لربك واسجدی وارکعی مع الراکعین ۝[2] (اے مریم! عاجزی اختیار کرو اپنے رب کے رُوبرو اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ ت) ظاہرۃ الورود ہے۔ معالم میں ہے:

انما قدم السجود علی الرکوع لانہ کذلك کان فی شریعتھم، وقیل، بل کان الرکوع قبل السجود فی الشرائع کلھا، ولیس الواو للترتیب

کہا گیا ہے کہ یہاں سجدے کا ذکر رکوع سے پہلے اس لئے ہے کہ ان کی شریعت میں اسی طرح تھا اور بعض نے کہا ہے کہ رکوع تمام شریعتوں میں سجدے سے پہلے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

من الخامسۃ مات سنۃ مائۃ وعشرین روی عن ابیہ وعن یحیی بن عفیف وروی عنہ سعید بن خثیم وسلم بن قتیبۃ وسلیمان بن صالح سلمویہ وکان امیرا علی خراسان جوادا ممدحا قال البخاری یتابع فی حدیثہ کذا فی التقریب وتہذیب التہذیب ۱۲ فقیر محمد حامد رضا قادری غفرلہ

پر جزم ہے اس کی حدیث میں کمزوری ہے پانچویں طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں ایک سوبیس ۱۲۰ ہجری میں ان کا وصال ہوا انہوں نے اپنے والد اور یحیٰی بن عفیف الکندی سے روایت کی ہے اور ان سے سعید بن خثیم و سلم بن قتیبہ اور سلیمان بن صالح سلمویہ نے روایت کی ہے یہ خراسان کے امیر تھے بڑے سخی اور لائقِ تعریف تھے۔ بخاری کہتے ہیں کہ ان کی حدیث میں متابعت کی گئی جیسا کہ التقریب و التہذیب میں ہے ۱۲ فقیر محمد حامد رضا قادری غفرلہ (ت)

---

[1] القرآن ۳۸/ ۲۴

[2] القرآن سورۃ آل عمران ۳ آیت ۴۳

بل للجمع[1] ۔

تھا اور واؤ ترتیب کے لیے نہیں ہے بلکہ جمع کیلئے ہے۔ (ت)

اقول یہاں اگرچہ تاویل رکوع بخشوع ممکن مگر حدیثِ شبِ معراج :

ثم دخلت المسجد فعرفت النبیین مابین قائم و راکع وساجد[2] ، رواہ الحسن بن عرفۃ وابونعیم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ ۔

پھر میں مسجد میں داخل ہوا تو میں نے نبیوں کو جانا کہ کچھ قیام میں ہیں کچھ رکوع میں اور کچھ سجود میں۔ اس کو حسن ابن عرفہ اور ابونعیم نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

جس میں تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب مسجدِ اقصٰی میں تشریف فرما ہوئے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ملاحظہ فرمایا کوئی قیام میں ہے کوئی رکوع میں کوئی سجود میں نص مفسر غیر قابل التاویل ہے۔

فانہ یفید التقسیم ، ولا یجوز ان یکون الخشوع قسیما للقیام والسجود ۔ فاندفع ما ذکر العلامۃ الزرقانی ھٰھنا حیث قال تحت قولہ مابین قائم و راکع ، ای خاشع کخشوع الراکع ، فلا یرد ان الرکوع من خصائص الامۃ الی اٰخر ما قد منا نقلہ و رأیتنی ، کتبت علی ھامشہ ، ما حاصلہ ان فیہ مثل ما قدمنا عن الزرقانی نفسہ ان النص یحمل علی حقیقتہ الشرعیۃ مہما امکن ، وقد امکن ، واختصاص ھذہ الامۃ من بین الامم ، لا ینفی صدور الرکوع من الانبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ، لاسیما بعد الوفاۃ ؛ لاسیما بعد ما ظہرت شریعۃ نبی الانبیاء صلی اللہ

کیونکہ یہ تقسیم کا فائدہ دیتا ہے اور یہ نہیں ہو سکتا کہ خشوع، قیام اور سجود کے بالمقابل ایک قسم ہو۔ اس سے مسترد ہو گئی وہ بات جو علامہ زرقانی نے یہاں ذکر کی ہے۔ انہوں نے "کچھ قیام میں، کچھ رکوع میں" کی شرح کرتے ہوئے کہا ہے "یعنی اس طرح خشوع کرنے والے جس طرح رکوع کرنے والا کرتا ہے" اب یہ اعتراض پیدا نہیں ہوگا کہ رکوع اس امت کی خصوصیات سے ہے..... آخر تک، جیسا کہ ہم پہلے زرقانی سے نقل کر چکے ہیں۔ اور مجھے یاد آرہا ہے کہ میں نے اس کے حاشیہ پر جو لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اس میں بھی وہی خامی ہے جو ہم زرقانی ہی سے نقل کر چکے ہیں کہ نص جہاں تک ہو سکے اپنی شرعی حقیقت پر حمل کی جائے گی، اور (یہاں شرعی حقیقت

---

[1] تفسیر معالم التنزیل تفسیر سورۃ آل عمران مطبوعہ مصطفٰے البابی مصر ۳۴۷/ ۲-۱

[2] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الخامس فی المعراج والاسراء مطبوعہ مطبعۃ العامرۃ مصر ۵۶/۶

[3] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۵۷/۶

تعالیٰ علیه وعلیهم وسلم ونسخت شرائعهم عن اٰخرها۔ وقرنه بقیام وسجود ادلّ دلیل علی ان المراد الرکوع الشرعی۔ وکیف یحمل علی اللغوی وهو الخشوع، مع انه قسم بینهم القیام والرکوع والسجود، اَفَتَرٰی قائمهم وساجدهم غیر خاشع؟ اھ ماکتبت علیه۔

مراد لینا) ممکن ہے۔ اور باقی امتوں میں سے اس امت کا رکوع کے ساتھ خاص ہونا، اس بات کے منافی نہیں ہے کہ انبیاء سے رکوع کا صدور ہوتا رہا ہے، خصوصاً ان انبیاء کے وصال کے بعد، خصوصاً نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت ظاہر ہونے اور باقی انبیاء کی شریعتیں یکسر منسوخ ہونے کے بعد۔ اور حدیث میں رکوع کا قیام اور سجود کے ساتھ مذکور ہونا، واضح دلیل ہے کہ یہاں شرعی رکوع مراد ہے۔ لغوی رکوع یعنی خشوع مراد ہو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ انبیاء کے لیے تین قسم کی عبادات مذکور ہیں یعنی قیام، رکوع اور سجود۔ کیا تمہارے خیال میں جو انبیاء قائم یا ساجد تھے وہ خشوع کرنے والے نہیں تھے؟ میں نے جو کچھ حاشیہ میں لکھا تھا وہ ختم ہوا۔ (ت)

ثمّ اقول: الحدیث ان دلّ علی خلو صلاة بنی اسرائیل عن الرکوع، کان ادل علی خلو صلاة الامة الابراهیمیة عنه، فان ملتنا هذه هی الملة الابراهیمیة، مع ان الله تعالیٰ یقول وعهدنا الیٰ ابراهیم واسمٰعیل ان طهرا بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود[1] وقال تعالیٰ واذ بوأنا لابراهیم مکان البیت ان لا تشرک بی شیئا وطهر بیتی للطائفین والقائمین والرکع السجود[2]۔ وادعاء ان المراد بالرکع الامة المحمدیة خاصة واضح البعد۔ صلی الله تعالیٰ علی الحبیب واٰله وامته و

پھر میں کہتا ہوں کہ (حضرت علی والی) حدیث اگر اس پر دال ہے کہ بنی اسرائیل کی نمازیں رکوع سے خالی تھیں تو ملتِ ابراہیمیہ کی نمازوں کے رکوع سے خالی ہونے پر بطریقِ اولیٰ دال ہوگی کیونکہ ہماری ملت تو ملتِ ابراہیمی ہی ہے باوجودیکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اور عہد کیا ہم نے ابراہیم و اسمٰعیل کی طرف کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لیے، اعتکاف کرنے والوں کے لیے اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔" اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" اور جب ٹھکانا بنا دیا ہم نے ابراہیم کے لیے بیت اللہ کی جگہ کو کہ نہ شریک ٹھہراؤ میرے ساتھ کسی کو اور میرے گھر کو پاک رکھو طواف کرنے والوں کے لیے،

---

[1] القرآن سورہ البقرۃ ۲ آیت ۱۲۵

[2] القرآن سورہ الحج ۲۲ آیت ۲۶

بارك وسلم۔ 7

قیام کرنے والوں کے لیے اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے۔ اور یہ دعوٰی کرنا کہ رکوع کرنے والوں سے مراد صرف امتِ محمدیہ ہے واضح طور پر بعید ہے صلی اللہ تعالٰی علی الحبیب وآلہٖ وامتہٖ وبارک وسلم۔ (ت)

بالجملہ مدار کار صحت حدیث مذکور طبرانی و بزار پر ہے اگر وہ صحیح ہے تو ثابت ہوگا کہ معراج شریف سے پہلے کی نمازیں بلکہ ایک نماز بعد کی بھی بے رکوع تھی ورنہ ظاہر احادیث یہی ہے کہ نماز سابق و لاحق باہم یکساں و متوافق ہیں۔

هذا كله ماظهر لي، والعلم بالحق عند ربي، والله سبحٰنه وتعالٰى اعلم، وعلمه جل مجده اتم واحكم۔

یہ سب کچھ میرے لیے ظاہر ہوا ہے اور حق کا علم میرے رب کو ہے، اللہ سبحٰنہ وتعالٰی بہتر علم رکھنے والا ہے اور اسی کا علم زیادہ تام اور محکم ہے۔ (ت)